Policy Journal of Social Science Review

Online ISSN 3006-4635 | Print ISSN 3006-4627

Vol. 3 No. 12 (2025)

تفسیر ابن کثیر اور تفسیر فی ظلال القرآن میں دعوتی رجحان کا تقابلی جائزہ

[1]Dr. Muhammad Shah Faisal
[2]Prof. Dr. Muhammad Feroz Ud Din Shah
[1]IRI Postdoctoral Fellowships 2024/2025 International Islamic University, Islamabad / Assistant Professor at Department of Islamic Studies Alhamd Islamic University, Islamabad
[2]Department of Islamic Studies, University of Sargodha
[1]Shahfaisal957@gmail.com, [2]muhammad.feroz@uos.edu.pk

Abstract

Islamic daʿwah (propagation of Islam) is that fundamental pillar of the faith which, from the dawn of Islam until today, has always remained prominent in both its spiritual and practical significance. With the passage of time, its methods, priorities, and practical requirements have continued to evolve, and this transformation is clearly reflected in the Qur'anic exegesis, as every commentator interprets the Qur'an in light of his intellectual background, ideological inclination, and the social and cultural circumstances of his era. Among these, Tafseer Ibn Kathir and Fi Ẓilāl al-Qur'an occupy a distinctive place, representing, respectively, the classical and the modern trends of daʿwah. Ibn Kathir's exegesis mirrors the intellectual and scholarly environment of the fourteenth century, in which daʿwah is presented through didactic, educational, and moral perspectives, grounded upon the Qur'an, Hadith, the reports of the Companions, and the opinions of jurists. He emphasizes admonition and moral instruction, especially through the stories and accounts of past nations. In contrast, Sayyid Qutb's Fi Ẓilāl al-Qur'an reflects the intellectual and revolutionary temperament of the twentieth century, wherein the Qur'an is not confined to a moral code or religious teaching alone, but is introduced as a comprehensive constitution of life and a revolutionary manifesto through which social justice, intellectual freedom, and socio-political transformation can be realized. The present study offers a comparative analysis of the daʿwah-oriented tendencies of these two exegetical works, in order to demonstrate how both classical and contemporary exegetes have highlighted the daʿwah dimension of the Qur'an in their respective contexts, and how, in today's world, these approaches can be synthesized to form a balanced model of daʿwah. The aim of this study is to preserve the traditional scholarly legacy while at the same time addressing the intellectual and cultural challenges of the modern age effectively, thus providing Islamic movements and contemporary societies with a framework that fulfills both academic and intellectual requirements as well as offers guidance in the practical realm. It is precisely this need that underlies the present comparative examination of daʿwah trends in Tafseer Ibn Kathir and Fi Ẓilāl al-Qur'an, which is hereby placed before the scholarly community.

Keywords: Daʿwah, Qur'anic Exegesis, Tafseer Ibn Kathir, Fi Ẓilāl al-Qur'an, Sayyid Qutb, classical Interpretation, Modern iInterpretation, Comparative Study, Islamic thought, Socio-Political Reform, Islamic Movements.

Article Details:

Received on 12 Nov 2025
Accepted on 30 Nov 2025
Published on 01 Dec 2025

Corresponding Authors*:

INTRODUCTION

تفسیر ابن کثیر (14ویں صدی) ایک مستند کلاسیکی تفسیر ہے، جس میں قرآن کی تشریح حدیث، آثارِ صحابہ، اور عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں کی گئی ہے۔ دوسری طرف، فی ظلال القرآن (20ویں صدی) سید قطب کی ایک انقلابی تفسیر ہے، جو جدید اسلامی احیاء، دعوتی جدوجہداور اسلامی نظامِ حیات کے قیام پر زور دیتی ہے۔یہ تحقیق دونوں تفاسیر میں دعوتی رجحانات کا تقابلی جائزہ لے گی تاکہ یہ واضح کیا جا سکے کہ کس طرح کلاسیکی اور معاصر تفسیری ادب میں دعوت کے اصول، اسالیب، اور ترجیحات بدلے ہیں، اور ان کے موجودہ دور پر کیا اثرات ہیں۔

مسئلے کا پس منظر

1: اسلامی دعوت(Da'wah)ہمیشہ سے دینِ اسلام کی بنیادوں میں شامل رہی ہے۔ ہر دور میں دعوت کے اصول، طریقے اور چیلنجز وقت کے تقاضوں کے مطابق بدلتے رہے ہیں۔ قرآن کریم کی تفاسیر دعوتی رجحانات کو سمجھنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں، کیونکہ ہر مفسر اپنے عہد کے تناظر میں قرآن کی تشریح کرتا ہے۔

تفسیر ابن کثیر (چودہویں صدی) اور فی ظلال القرآن (بیسویں صدی) اسلامی دعوت کے دو مختلف مگر مؤثر رجحانات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ابن کثیر کی تفسیر ایک روایتی (کلاسیکی) انداز کی ترجمان ہے، جو حدیث، آثارِ صحابہ اور عقلی و نقلی دلائل پر مبنی ہے۔ دوسری طرف، فی ظلال القرآن سید قطب کی ایک معاصر (جدید انقلابی) تفسیر ہے، جو اسلامی تحریک، سیاسی و سماجی انقلاب، اور جدید چیلنجز کے خلاف اسلامی نظریہ کو اجاگر کرتی ہے۔

یہ تحقیق دونوں تفاسیر میں موجود دعوتی رجحانات کا تقابلی جائزہ لے گی، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کلاسیکی اور معاصر دور میں اسلامی دعوت کے اصول، ترجیحات، اور چیلنجز کیسے بدلے ہیں، اور کون سا انداز آج کے دور میں زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتا ہے۔

2: قرآن کریم کی تفسیر ہر دور میں بدلتے ہوئے فکری، سماجی اور تاریخی پس منظر کے مطابق کی گئی ہے۔ ابن کثیر کی تفسیر ایک روایتی علمی اسلوب کی حامل ہے، جو بنیادی طور پر حدیث، آثارِ صحابہ اور فقہاء کی آراء پر انحصار کرتی ہے۔ اس میں دعوت کو ایک نصیحتی (preaching) اور تعلیماتی (educational) انداز میں بیان کیا گیا ہے، جہاں گزشتہ اقوام کے حالات سے عبرت سکھائی جاتی ہے۔

دوسری طرف، فی ظلال القرآن سید قطب کی تفسیر جدید نظریاتی و فکری اسلوب کی نمائندہ ہے، جو اسلامی تحریک، سماجی انصاف، اور مغربی تہذیب کے چیلنجز کے مقابلے میں قرآن کو ایک عملی دستورِ حیات کے طور پر پیش کرتی ہے۔ سید قطب کے نزدیک، دعوت کا مطلب صرف تعلیم دینا نہیں بلکہ معاشرتی و سیاسی انقلاب برپا کرنا بھی ہے۔

یہ تحقیق ان دونوں تفسیری اسالیب کے درمیان دعوت کے مختلف نظریات، اصولوں اور عملی اثرات کو جانچنے کی کوشش کرے گی۔

یہ تحقیق اسلامی دعوت کے روایتی اور جدید رجحانات کا تقابلی جائزہ پیش کرے گی، تاکہ ایک ایسا متوازن دعوتی ماڈل تجویز کیا جا سکے جو علمی، فکری، اور عملی سطح پر اسلامی معاشروں کے لیے زیادہ مفید ہو۔ اس مطالعے سے موجودہ اسلامی تحریکات کو قرآنی دعوت کے نئے اصول وضع کرنے میں مدد مل سکتی ہے، جو نہ صرف روایتی تفسیری انداز کو باقی رکھے بلکہ جدید فکری چیلنجز کا بھی جواب دے سکے۔

اسلامی دعوت دینِ اسلام کا وہ بنیادی ستون ہے جو آغازِ اسلام سے لے کر آج تک ہر دور میں اپنی معنوی و عملی اہمیت کے ساتھ نمایاں رہا ہے۔ وقت کے تغیرات کے ساتھ اس کے اسالیب، ترجیحات اور عملی تقاضے بھی بدلتے رہے ہیں، اور یہی تغیر قرآنِ کریم کی تفاسیر میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے، کیونکہ ہر مفسر اپنے علمی پس منظر، فکری رجحان اور دور کے سماجی و تہذیبی حالات کی روشنی

میں قرآن کی تعبیر پیش کرتا ہے۔ انہی میں تفسیر ابنِ کثیر اور فی ظلال القرآن کو ایک منفرد مقام حاصل ہے، جو بالترتیب کلاسیکی اور جدید دعوتی رجحانات کی نمائندہ ہیں۔ ابنِ کثیر کی تفسیر چودھویں صدی کے علمی و فکری ماحول کی عکاس ہے، جس میں قرآن و حدیث، آثارِ صحابہ اور فقہاء کی آراء کو بنیاد بنا کر دعوت کو نصیحتی، تعلیمی اور اخلاقی زاویے سے پیش کیا گیا ہے، اور گزشتہ اقوام کے قصص و واقعات کے ذریعے عبرت و نصیحت کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ اس کے برعکس سید قطب کی فی ظلال القرآن بیسویں صدی کے فکری و انقلابی رجحان کی ترجمان ہے، جو قرآن کو صرف ایک اخلاقی نصاب یا مذہبی تعلیم تک محدود نہیں رکھتی بلکہ اسے ایک ہمہ گیر دستورِ حیات اور انقلابی منشور کے طور پر سامنے لاتی ہے، جس کے ذریعے سماجی انصاف، فکری آزادی اور معاشرتی و سیاسی انقلاب کو ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ زیرِ نظر تحقیق میں دونوں تفاسیر کے دعوتی رجحانات کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ کلاسیکی اور معاصر مفسرین نے اپنے اپنے عہد میں قرآن کے دعوتی پہلو کو کس انداز میں اجاگر کیا اور آج کے دور میں ان رجحانات کو کس طرح یکجا کر کے ایک متوازن دعوتی ماڈل تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ اس مطالعے کا مقصد یہ ہے کہ روایتی علمی میراث کو باقی رکھتے ہوئے عصرِ حاضر کے فکری و تہذیبی چیلنجز کا مؤثر جواب دیا جائے، اور اسلامی تحریکات و جدید معاشروں کے لیے ایک ایسا لائحۂ عمل تجویز کیا جائے جو علمی و فکری تقاضوں کے ساتھ ساتھ عملی میدان میں بھی رہنمائی فراہم کرے۔ یہی ضرورت ہے جس کے پیشِ نظر تفسیر ابنِ کثیر اور تفسیر فی ظلال القرآن میں دعوتی رجحانات کا یہ تقابلی جائزہ اہلِ علم کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

تفسیر ابن کثیر کا تعارف اور اس کی خصوصیات

عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر ۷۰۱ھ[1] میں شام کے علاقے بصری کے قریب واقع قصبے "مجدل" میں پیدا ہوئے[2] اور اپنی زندگی کا بیشتر حصہ دمشق میں علمی تعلیم و تربیت میں گزارا۔ آپ نے اپنے دور کے جلیل القدر اساتذہ سے کسبِ فیض کیا اور تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، تاریخ، علم الرجال، نحو اور لغتِ عربی جیسے علوم میں غیر معمولی مہارت حاصل کی۔[3] ۷۷۴ھ میں آپ کا وصال دمشق ہی میں ہوا اور آپ کو مقبرہ صوفیہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔[4] امام ابن کثیر اپنے عہد کے معتبر مفسر، محدث، مؤرخ اور ناقد کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں اور علومِ اسلامیہ کے مختلف شعبوں میں گراں قدر علمی خدمات انجام دیں۔ ان کی تصانیف میں تفسیر القرآن العظیم اور عظیم الشان تاریخی کتاب البدایہ والنہایہ کو خاص مقام حاصل ہے، جنہوں نے آپ کو علمی دنیا میں دوام بخشا۔ زیرِ نظر تحقیق میں بالخصوص ان کی شہرۂ آفاق تفسیر کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، جو علومِ قرآن میں ان کی گہری بصیرت اور علمی جلالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ قرآنِ مجید کی متعدد آیات میں دینِ اسلام کی دعوت و تبلیغ کا واضح ذکر ملتا ہے۔ ان آیات کی تفسیر میں حافظ ابنِ کثیر نے جس اندازِ بیان کو اختیار کیا ہے وہ نہایت دلنشین اور مؤثر ہے۔ انہوں نے دعوتی پہلوؤں کو نہ صرف مدلل اور مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کیا بلکہ ان کی وضاحت میں اسلوبِ بیان کی ایسی قوت دکھائی ہے جو دیگر مفسرین سے منفرد اور نمایاں ہے۔ ابنِ کثیر کی تفسیر میں دعوت کے مضامین نہ صرف قاری کے قلب و ذہن کو متاثر کرتے ہیں بلکہ اسے عملی میدان میں اترنے کی ترغیب بھی دیتے ہیں۔

---

[1] الداودی،محمد بن علی بن احمد ،طبقات المفسرین،مکتبہ وہبہ ،قاہرہ، س ن ،ج:۱،ص:۱۱۲
[2] احمد محمد شاکر، عمدة التفسير ،دار الوفاء للطباعة والنشروالتوزيع،،المنصورة،س ن ،ج:۱،ص:۲۲
[3] الذہبی، شمس الدین ،تذكرة الحفاظ،مجلس دائر المعارف العثمانیہ،حیدر آباددکن، انڈیا،۱۹۵۸ء،ج:۴،ص:۱۵۰۸
[4] النعیمی،عبد القادر بن محمد،الدارس فی تاریخ المدارس،مطبعۃ الترقی ، الدمشق،۱۳۶۷ھ،ج:۱،ص:۳۷

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN Print ISSN
3006-4635 3006-4627
Vol. 3 No. 12 (2025)

یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر کو دعوت و اصلاح کے باب میں ایک زندہ اور ہمہ گیر ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

تفسیر ابن کثیر کی دعوتی خصوصیات کو ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے :

۱۔توحید و رسالت

یہ خصوصیت ابنِ کثیرؒ کے منہجِ تفسیر میں یوں نمایاں ہوتی ہے کہ وہ دعوت کے ہر مباحثے کو دو محکم بنیادوں پر استوار کرتے ہیں:

(۱) خالص توحیدیعنی اللہ ہی کی طرف بلانا۔

(۲) رسالت کی کامل پیروی یعنی اتباعِ سنت ۔

سورۂ یوسف کی آیت "قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي"[5] کی تفسیر میں وہ صاف لکھتے ہیں کہ "یہی نبی ﷺ کی راہ، طریق اور سنت ہے : شہادتِ لا إله إلا الله کی طرف دعوت؛ اور یہ دعوت علم، یقین اور شرعی و عقلی برہان پر قائم ہے، نبی اور ہر وہ شخص جو آپ کی پیروی کرے،سب اسی بصیرت پر دعوت دیتے ہیں۔" اس کے فوراً بعد "سُبْحَانَ اللهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ"[6] لاتے ہیں تاکہ داعی کے عقیدے کی تنزیہ و اخلاص بھی واضح رہے۔ یہ پوری جگہ بتاتی ہے کہ دعوت نہ کسی مسلکی جھنڈے کی طرف ہے نہ کسی شخصیت کی طرف، بلکہ سیدھا اللہ کی طرف ہے، اور اس کی شرط علم و دلیل ہے۔اسی اصول کو وہ آیاتِ منہج میں پھیلاتے ہیں"ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ"[7] کے تحت ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو حکمت یعنی کتاب و سنت سے مانوس حکیمانہ کلام، موعظۂ حسنہ یعنی دل نرم کرنے والی نصیحت و واقعات، اور احسن اندازِ محاججہ کا حکم دیااور ساتھ یہ تنبیہ بھی کہ ہدایت دینا تمہارے ذمے نہیں؛ تمہارا کام بلّغ کرنا ہے، باقی حساب اللہ کے سپرد ہے۔ یہ آیت اس منہجِ دعوت کی عملی ساخت دے دیتی ہے۔توحید کے عموم و دوام پر وہ متعدد مقامات سے استدلال کرتے ہیں۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ۔"[8] کے ذیل میں ان کا مدعا یہ ہے کہ ہر رسول کا لبِّ لباب یہی توحید ہے؛ اسی لیے اسلام کی دعوت کا مرکز ہمیشہ "عبادتِ واحدِ قہار" رہا ہے، نہ کہ کسی واسطے یا شریک کی طرف میلان۔دعوت کے ساتھ اتباعِ سنت کو وہ معیارِ صدق ٹھہراتے ہیں۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ۔ [9] پر ابنِ کثیرؒ صاف فیصلہ کرتے ہیں کہ جو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرے اور رسولؐ کی پیروی نہ کرے، اس کا دعویٰ معتبر نہیں؛ حقیقی محبت کی علامت اتباعِ محمد ﷺ ہے، اور اسی سے اللہ کی محبت و مغفرت حاصل ہوتی ہے۔ یوں دعوتِ توحید لازماً سنت کے اتباع میں ڈھل کر سامنے آتی ہے۔محض نعرہ نہیں، عملی التزام ہے۔[10]

---

[5] سورۃ یوسف ۱۰۸:۱۲

[6] سورۃ یوسف ۱۰۸:۱۲

[7] سورۃالنحل۱۲۵:۱۶

[8] سورۃ الأنبیاء ۲۵:۲۱

[9] سورۃآلِ عمران۳۱:۳

[10] ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر،تفسیر القرآن العظیم ، دار الکتب العلمیہ ، بیروت،ج:۴،ص:۲۵۵

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN 3006-4635
Print ISSN 3006-4627
Vol. 3 No. 12 (2025)

اسی ربطِ قول و عمل کو وہ "وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔[11] سے سمجھاتے ہیں کہ بہترین گفتار اسی کی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے، خود نیکی کرے، اور اپنی مسلمان شناخت کا اعلان کرےیعنی داعی کی زبان اور عمل ہم آہنگ ہوں؛ وہ نیکی کا حکم دے تو پہلے خود کرے، برائی سے روکے تو پہلے خود رکے۔ یہ آیت ابنِ کثیرؒ کے ہاں داعی کے اخلاقی وزن اور دعوت کی ساکھ کا معیار قرار پاتی ہے۔تفسیرِ ابنِ کثیر کی دعوتی روح ایک "خالص توحیدی"اور"سنت مرکزی"ڈھانچے میں جلوہ گر ہے: دعوت سیدھی اللہ کی طرف، علم و بصیرت کے ساتھ؛ طریقِ کار حکیمانہ اور شفیق؛ اور داعی کی سچائی اتباعِ محمد ﷺ اور اپنے عمل کی گواہی سے ثابت۔ یہ منہج دعوت کو ہر طرح کی شخصی و گروہی وابستگی سے بلند رکھتا ہے اور اسی کو ابنِ کثیرؒ قرآن کے نصوص سے بار بار اجاگر کرتے ہیں۔

۲۔ قرآن بالقرآن، قرآن بالسنۃ، آثارِ سلف

ان کی دعوتی تعبیر کی بنیاد تین ستون ہیں: آیات کی آیات سے تفسیر، آیات کی احادیث سے توضیح، اور صحابہ و تابعین کے آثار۔ اس طریق سے دعوت کے اصول نصوصِ قطعیہ پر کھڑے رہتے ہیں، تاویلاتِ بعیدہ پر نہیں۔ابنِ کثیر کی پہلی ترجیح یہ ہے کہ ایک آیت کی توضیح خود قرآن سے کی جائے، تاکہ دعوت کے اصول نصِّ قطعی پر قائم رہیں۔

۱۔قرآن بالقرآن

سورت فاتحہ کی آیت "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" [12] کی تفسیر میں وہ براہِ راست النساء کی آیت نمبر ۶۹ اور ۷۰ سے دلیل لاتے ہیں کہ "جن پر انعام ہوا"سے مراد النبیین، صدیقین، شہداء، صالحین ہیں۔[13] اس طرح داعی کو مطلوب راہِ ہدایت قرآن ہی سے متعین ہو جاتی ہے۔سورت النحل کی آیت "ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ"[14] کی شرح میں اسی مضمون کی دوسری آیات سورۃالعنکبوت کی آیت "اہلِ کتاب سے بہترین اسلوب میں مجادلہ "[15] اور سورت طه کی آیت "فرعون سے نرم قول"[16] کو باہم جوڑ کر دعوت کا قرآنی اسلوب واضح کرتے ہیں۔سورت یوسف کی آیت "قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي"[17] "سبحان اللہ" کے ذیل میں سورت الإسراء کی آیت نمبر ۱۷کا ربط دے کر توحید کی تنزیہی جہت کو مزید پختہ کرتے ہیںیعنی دعوت سراسر توحید اور تنزیہ پر قائم ہے۔[18]

۲۔قرآن بالسنۃ

---

[11] سورۃفصّلت ۴۱:۳۳

[12] سورۃ فاتحہ ۱:۷

[13] سورۃ النساء۴:۶۹-۷۰

[14] سور النحل۱۶:۱۲۵

[15] سورۃ العنکبوت۴۶:۲۹

[16] سورۃ طہٰ ۴۴:۲۰

[17] سورۃ یوسف ۱۲:۱۰۸میں

[18] ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم،ج:۱،ص:۱۷۷

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN 3006-4635
Print ISSN 3006-4627
Vol. 3 No. 12 (2025)

دوسرا ستون یہ ہے کہ مجمل یا مختلف فیہ مقامات پر صحیح احادیث سے آیت کا مقصود کھولا جائے، تاکہ داعی کا موقف سنت کے معیار پر پرکھا جا سکے۔سورت فاتحہ کی آیت میں"غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ"[19] کی تعیین میں نبی ﷺ کی حدیث لاتے ہیں کہ "المغضوب علیهم: یہود، والضالون: نصاریٰ" اس سے دعوت کا ہدف واضح اور غیر مبہم رہتا ہے۔سورۃ البقرۃ کی آیت "حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى"[20] کی تعیین میں ابنِ کثیر صحیح مسلم وغیرہ کی روایات پیش کرتے ہیں کہ "شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى صَلَاةِ الْعَصْرِ"اس سے استدلالی اختلاف ختم ہو کر عملی راہنمائی سامنے آتی ہے۔سورۃ آلِ عمران کی آیت "وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ"[21] کے تحت وہ صحیح مسلم کی مشہور حدیث"مَن رَأَى مِنكُم مُنكَرًا فليُغَيِّره" نقل کرتے ہیں، یوں آیتِ دعوت کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نبوی ضابطے سے جوڑ دیتے ہیں۔[22]

۳۔آثارِ سلف

تیسرا ستون صحابہ و تابعین کے آثار ہیں؛ ابنِ کثیر آیت کی مراد طے کرنے میں اکابرِ سلف کے فہم کو حجت بناتے ہیں، تاکہ داعی کا منہج ابتدائی و معتبر فہمِ دین سے جڑا رہے۔سورۃ الفاتحہ کی "اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ"[23] میں پہلے اجماعِ اہلِ تفسیر نقل کرتے ہیں کہ "صراطِ مستقیم سیدھی واضح راہ ہے جس میں کجی نہیں"، پھر دیگر اقوالِ سلف سے اس راہ کی عملی صورت بیان کرتے ہیں۔
سورۃ البقرۃ کی آیت میں "الصلاة الوسطی"[24] کے باب میں وہ ابنِ عباس، علي، ابی ، زید بن ثابت،ابوایوب،حذیفہ، ابن عمر وغیرہ سلف کے اقوال جمع کرتے ہیں؛ پھر حدیث کی روشنی میں راجح قول (عصر) اختیار کرتے ہیں ۔یہی "نص و اثر" کی جامع سنتی روش ہے۔سورۃ الصافات کی آیت "وفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ"[25] میں عليؓ، ابنِ عباسؓ، مجاہد، عکرمۃ وغیرہ کے متعدد آثار نقل کر کے واقعۂ ذبح کی تفصیلات مرتب کرتے ہیں؛ اس اسلوب سے داعی کو روایت کی پوری تصویر ملتی ہے، قیاسات کی حاجت نہیں رہتی۔اسی طرح سورت المائدۃ کی آیت وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ"[26] میں ابنِ عباس اور جلیل القدر تابعین کے اقوال سے "وسیلہ" کا معنی "قربت/طاعت"متعین کرتے ہیں دعوت کو مشروع ذرائع تک محدود رکھنے کی واضح مثال۔سورۃ البقرۃ کی آیتمیں "كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً"[27] کے بارے میں ابنِ عباس، ابی بن کعب، قتادۃ وغیرہ کی مختلف روایات ذکر کر کے نزاعی

---

[19] سورۃ الفاتحہ۱:۷
[20] سورۃ البقرۃ۲:۲۳۸
[21] سورۃ آل عمران ۳:۱۰۴
[22] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ،ج:۱،ص:۱۹۰
[23] سورۃ الفاتحہ ۱:۶
[24] سورۃ البقرۃ ۲:۲۳۸
[25] سورۃ الصافات ۳۷:۱۰۸
[26] سورۃ المائدۃ ۵:۳۵
[27] سورۃ البقرۃ ۲:۲۱۳

Policy Journal of Social Science Review

Online ISSN Print ISSN

3006-4635 3006-4627

Vol. 3 No. 12 (2025)

پہلو سامنے رکھتے ہیں، پھر ترجیح دیتے ہیں یعنی دعوتی مباحث میں پہلے سلف کے مجموعی فہم کی طرف رجوع۔[28]

۳۔ حکمت، موعظۂ حسنہ، جدال بالتی ھی أحسن

"اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ"[29] کی تفسیر میں وہ مخاطب کے حال، مقام اور شبہات کے لحاظ سے اسلوب بدلنے کی رہنمائی دیتے ہیں کہاں دلیلِ عقلی کارگر ہے، کہاں نصیحتِ رقیق، اور کہاں مناظرہ بھی حسنِ اخلاق سے۔اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا: لوگوں کو اللہ کی راہ پر بلاؤ" حکمت،موعظ حسنہ اور جدال بالتی ہی احسن "اور ابنِ کثیرؒ اس آیۃ کی تفسیر میں بتاتے ہیں کہ یہ تین الفاظ دعوت کے تین مختلف اوزار ہیں جن کا انتخاب مخاطب کے حال، مرتبے اور دل کا مزاج دیکھ کر کیا جائے۔

الف۔حِکمت

حکمت وہ علمی، نقلی اور عقلی بنیاد ہے جو دعویٰ کو مستدل اور مستند بناتی ہے یعنی قرآنی و نبوی دلائل، منطقی برہان، اصطلاحی اور لسانی دلائل اور شواہدِ تاریخ۔ ابنِ کثیر اس کو قرآن و سنت اور "بصیرت" کے ساتھ مربوط کرتا ہے: داعی جب اہلِ علم یا منطق پسند سامعین سے مخاطب ہو تو دلائل، نصوص و برہان کے ساتھ بلاغ کرے۔ اس کا بہترین اظہار وہ ہے جو دعوت کو "برہانِ شرعی و عقلی" کے ساتھ پیش کرے۔ جب آپ کسی عالم، فقیہ یا اہلِ کتب سے بات کریں تو موضوعی دلائل، نسبتی آیات، حدیث اور لسانی توضیح پیش کریں مثلاً توحید کے موضوع میں قُرآنی دلائل اور احادیث کو منظم انداز میں پیش کرنا جیسا کہ ابنِ کثیر نے سورۃ یوسف کی آیتِ ۱۰۸میں دعوت کو "بصیرت" کے ساتھ جوڑا ہے۔

ب۔موعظۂ حسنہ

موعظۂ حسنہ وہ نرم، دل کو چھو لینے والی نصیحت ہے جس میں قصّے، عبرت انگیز واقعات، ترغیب و ترہیب، اور اخلاقی اپیل شامل ہوں — مقصد قلب کھولنا اور عمل کا زرخیز بنانا ہے۔ ابنِ کثیر بذاتِ خود لکھتے ہیں کہ موعظہ میں "الزواجر والوقائع" یعنی لوگوں کے سامنے پیش کیے جانے والے واقعات و عبرتیں شامل ہیں، تاکہ وہ اللہ کے عذاب یا رحمت سے ڈرتے یا مائل ہوں۔

ج۔جِدالِ بالّتی ہِی أحسن

جب مخاطب ایسی صورتِ حال ہو کہ بحث و جدل ضروری بن جائے (مثلاً شبہات موجود ہوں یا انکار سرکشی کی بنا پر ہو)، تو جدل ضرور کیا جائے مگر "اَحسن" طریقے سے یعنی شائستگی، نرمی، پرسوال انداز، اور مخالف کے اپنے عقائد یا نصوص سے استدلال کر کے۔ ابنِ کثیر اِس حکم کو قرآن کے مقامات سے مربوط کرتے ہیں جیسے:

"وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ"[30] اور آیتِ "فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا"[31]

مَوسٰی و ہارون کا فرعون کو مخاطب کرناتاکہ جدال خصمانہ ٹکراؤ نہ بنے۔

حضرتِ رسول ﷺ اور نجران کے مسیحیوں کی معقول اور منصفانہ گفتوگوجہاں بحث اخلاق و آداب کے ساتھ ہوئی اور معاہدہ طے پایا؛ یہ اسلوبِ "التی ہی احسن" کی عملی صورت ہے۔ مقامِ موسیٰؑ اور فرعون: اللہ نے حکم دیا "قولا لہ قولا لینا" یعنی حتیٰ کہ سخت ترین موقف والے فرد کے ساتھ بھی گفتاری نرمی برتو۔ ابنِ کثیر یہی نقطہ بطور درس پیش کرتے ہیں۔[32]

[28] ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم،ج:۱،ص:۱۷۵

[29] سورۃ نحل۱۶:۱۲۵

[30] سورۃ العنکبوت ۲۹:۴۶

[31] سورۃ طہ ۲۰:۴۴

[32] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم،ج:۷،ص:۲۸۹

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN Print ISSN
3006-4635 3006-4627
Vol. 3 No. 12 (2025)

۴۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریم ورک

"وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ أُمَّةٌ"[33] کے تحت ابنِ کثیر علم، عدل اور حلم کو اس فریضے کی شرطیں بتاتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں :

۱۔ ایک جماعت کا قیام

ابنِ کثیر آیت کی تفسیر میں واضح کرتے ہیں کہ اللہ نے اس کردار کے لیے ''فرِقۃ ''متعین کرنے کا ارشاد فرمایا یعنی پورے عُلمی-عملی نظام کی ذمہ داری ایک منظم اطراف پر خاص طور پر عائد ہوتی ہے، حالانکہ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق واجب عمل ہے۔ یہ نقطہ وہی حدیثیں جو ایک عام قاعدہ بتاتی ہیں، کے ساتھ جوڑ کر بیان کرتے ہیں۔

۲۔ بصیرت و جانکاری

ابنِ کثیر کی تفسیر بارہا اِس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جو شخص امر/نہی کا فریضہ انجام دے وہ پہلے بصیرت، یعنی اس معاملے میں شرعی اور عقلی علم رکھتا ہو؛ ورنہ غلط امر یا غلط نَہی پیدا ہو سکتی ہے۔ ابنِ کثیر اسی روح کے تحت آیات و احادیث کو ملا کر بتاتے ہیں کہ"منکم" کا تَبعیض اکثر علما کی طرف اشارہ کرتا ہے، اورحدیثِ "من رأى منكم منكراً فليغيره"کا مطلب یہ ہے کہ عملِ اِنکار اس کے اختیار و شرافت کے مطابق ہو۔ اس لئے پہلے علم ضروری ہے۔ اگر کسی گاؤں میں پیچیدہ شرعی عمل ہو رہا ہے تو عام آدمی بلا علم سختی سے نہیں ٹوکے گا؛ وہاں علما/فقیہ اس معاملہ میں قرآن و سنت کی دلیلیں پیش کر کے مسئلہ واضح کریں گے جیسا کہ ابنِ کثیر یوسف کی آیت نمبر ۱۰۸کی تفسیر میں دعوت کو "بصیرت" کے ساتھ مربوط کرتےہیں۔

۳۔ انصاف و مصلحت

ابنِ کثیر دعوتِ اصلاح کو محض وعظ سمجھ کر نہیں چھوڑتے؛ وہ بارہا بتاتے ہیں کہ اصلاح کا طریقہ انصاف اور مصلحت کے تقاضوں کے مطابق ہو یعنی فریضہ انجام دیتے وقت نفع و مفسدہ کا احتساب ضروری ہے تا کہ اصلاح کے نام پر ظلم یا زیادتی نہ ہو۔ ابنِ کثیر کے عمومی تَفسِیری مضامین میں اللہ کے احکامِ عدل کی تاکید ملتی ہے اور وہ امر/نہی کو اسی عدالت کے فریم میں رکھتے ہیں۔ اگر کسی کی خاندانی حیثیت یا روزِ معیشت پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہو تو فوری طرد یا بیدردی سے منع کرنے کے بجائے معتدل، منصفانہ اور مرحلہ وار اصلاح اختیار کرنا ہوگا یہی عدل و حکمت ابنِ کثیر کے تقاضے ہیں۔

۴۔ حلم اور نرمی

ابنِ کثیر قرآن کی وہ آیات جو نرمی و لطف کا حکم دیتی ہیں :" فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنتَ لَهُمۡ"[34] اور "فَقُولَا لَهُ قَوۡلًا لَّيِّنًا"[35] کو دعویٰٔ امر بالمعروف کے اخلاقی ضابطے کے طور پر پڑھتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ سخت لہجہ، ذاتی تذلیل یا غلاظت دعوت کی روح کے خلاف ہے؛ دعوت میں رفق اور لِین (نرمی) اصل چال ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام اور ہارون کو فرعون کے سامنے پیش کیا گیا تو اللہ نے کہا: "فَقُولَا لَهُ قَوۡلًا لَّيِّنًا" اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ عظیم ترین حالات میں بھی مخاطب سے نرم کلام برتنا بہتر ہوتا ہے؛ ابنِ کثیر یہی اصول عامِ امر و نَہی پر نافذ کرتے ہیں۔

۵۔استقامت و صبر اوردشمنی کا سامنا کرنے کی تیاری

---

[33] سورۃ آلِ عمران ۱۰۴:۳

[34] سورۃ آل عمران ۱۵۹:۳

[35] سورۃ طہ ۴۴:۲۰

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN Print ISSN
3006-4635 3006-4627
Vol. 3 No. 12 (2025)

ابنِ کثیر واضح طور پر بیان کرتے ہیں کہ امر و نَہی انجام دیتے ہوئے اذیت و مخالفت آئیں گی؛ اس لیے صبر اور ثابت قدمی لازم ہیں وہ سورۂ لقمان اور دیگر مقامات میں صبر کی تاکید کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ امر بالمعروف ایک ازمائش بھرا کام ہے جس میں ثابت مزاجی لازمی ہے۔[36]

۵۔ تدریج اور مزاج نبوی

ابن کثیر شرائع کی تنفیذ اور سماجی اصلاح میں تدریج کے قرآنی اصول کو نمایاں کرتے ہیں جیسے منکرات کی حرمت کے نفاذ میں مرحلہ وار حکمت۔ اس سے داعی کو عملی حکمتِ عملی ملتی ہے۔حافظ ابنِ کثیرؒ کی تفسیر کا ایک نمایاں دعوتی وصف تدریج کا اصول ہے، جو عین قرآنی اسلوب اور مزاجِ نبوی ﷺ سے ہم آہنگ ہے۔ ابنِ کثیر واضح کرتے ہیں کہ شریعت کے کئی احکام اور منکرات کی ممانعت یکبارگی نافذ نہیں کی گئی بلکہ انسانوں کی نفسیات اور سماج کی حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں مرحلہ وار اتارا گیا۔ اس سے داعی کے لیے یہ رہنمائی نکلتی ہے کہ وہ دعوت و اصلاح میں عجلت یا سختی کی بجائے تدریج اور حکمت کو ملحوظ رکھے۔

شراب کی حرمت میں تدریج

ابنِ کثیر نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۱۹، سورۃ النساء کی آیت نمبر ۴۳اور سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۹۰ اور ۹۱کی تفسیر میں تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ شراب کی حرمت تین مرحلوں میں نازل ہوئی:

سورت بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۹ میں صرف نقصان و فائدے کا موازنہ کیا گیا ،پھر سورت نساء کی آیت نمبر ۴۳ میں نشہ کی حالت میں نماز کے قریب جانے سے روکا گیا
سورت مائدۃ کی آیت نمبر ۹۰ اور ۹۱ میں قطعی حرمت کا اعلان کر دیا گیا ۔

ابنِ کثیر لکھتے ہیں:

هذا من التدريج في تحريم الخمر، فإنها أوّلاً ذُكرت مع ما فيها من الإثم والمنافع… ثم نُهوا عن الصلاة حال السُكر… ثم حُرّمت بالكلّية[37]"

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے معاشرتی منکرات کو ختم کرنے میں نفسیاتی و عملی تدریج کا اصول اختیار کیا۔

سود کی حرمت میں تدریج

ابنِ کثیر نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۷۵ اور ۲۷۹کی تفسیر میں سود کے بارے میں بھی یہی تدریجی حکمت واضح کی ہے۔ پہلے نرمی سے تنبیہ کی گئی، پھر سود خوروں کو اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کی وعید سنائی گئی۔ اس تدریج نے مسلمانوں کے ذہنوں کو قبولِ حق کے لیے آمادہ کیا۔

مزاجِ نبوی ﷺ اور تدریج

ابنِ کَثیر نبی اکرم ﷺ کے اس اسلوب پر بھی روشنی ڈالتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دعوت میں ہمیشہ ترتیب، تدریج اور سہولت کو ملحوظ رکھا۔ جب معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إنک تأتی قوماً من أهل الكتاب، فليكن أوّل ما تدعوهم إليه شهادة أن لا إله إلا الله فإن أطاعوا لذلک، فأعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات۔[38]

ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ یہ حدیث داعی کے لیے اصول ہے کہ وہ اہم ترین چیز (توحید) سے آغاز کرے اور پھر تدریجاً احکام کی تعلیم دے۔
ابنِ کثیر کے نزدیک تدریج کا مطلب یہ ہے کہ داعی حقیقت کو چھپائے نہیں بلکہ حالات کے مطابق قدم بہ قدم پیش کرے تاکہ دلوں میں قبولیت پیدا ہو۔ یہی اسلوب قرآن و سنت کا مزاج اور اصلاحِ معاشرہ کا پائیدار طریقہ ہے۔

---

[36] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم،ج:۳،ص:۲۵۵
[37] تفسیر ابن کثیر، المائدہ ۹۰، ج:۲، ص :۹۲
[38] البخاری،محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح ، مکتبہ رحمانیہ ،لاہور، س ن ، حدیث :۷۳۷۲

Policy Journal of Social Science Review

Online ISSN Print ISSN

3006-4635 3006-4627

Vol. 3 No. 12 (2025)

۶۔بین المذاہب مکالمہ اور ردِ شبہات میں عدل

"تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ"[39] کے تحت وہ اہلِ کتاب سے گفتگو میں مشترکات پر زور دیتے اور تحریفا کی علمی نفی کرتے ہیں ۔

۱۔بنیادی اصول "كلمةٍ سواءٍ" مشترک بنیاد پر گفتگو

ابن کثیر کہتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ کو اہلِ کتاب کے ساتھ ایک منصفانہ، برابر اور قابلِ قبول مشترک بنیاد پر بات چھیڑنی چاہیے جس کی ابتدا توحید"نعبدُ إلاّ اللّٰہ" سے ہو اور اس میں انصاف ضامن ہو۔ اس دعوت کا مقصد پہلے مشترک عقیدہ ثابت کرنا، پھر اختلافات کی علمی نشان دہی ہے نہ کہ ذاتی تذلیل یا توہینِ مخالف۔

۲۔طریقتِ مکالمہ مرحلہ بہ مرحلہ: ابتدا مشترکات پھر اختلاف

ابنِ کثیر کی تفسیر میں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ پہلے مشترک کلمات (توحید، انبیاء کی قبولیت جیسی بنیادی باتیں) پر متفق ہونے کی دعوت۔جب مشترک زمین بن جائے تو تحریفات یا فرقِ عقیدہ کو متنِ قرآن و حدیث کی روشنی میں علمی انداز میں سامنے رکھا جائے۔مخاطب کی فطرت و مقام کے مطابق رہنمائی اختیار کی جائے۔یہی منہج ابنِ کثیر نے نجران کے مندوبین کے واقعے کی تشریح میں بھی بطورِ عملی نمونہ بیان کیا ہے، جہاں سَوَاء کی دعوت، دونوں فریقین کے بیانات سننا اور پھر دلیل سے فرق واضح کرنا عملِ پیراۂ کار تھا۔

۳۔شبہات کی علمی نفی

ابنِ کثیر جہاں اہلِ کتاب کے ساتھ مکالمے کو فروغ دیتے ہیں وہیں تحریفات و غلو کو قرآن و نصوص کے بل پر واضح طور پر رد بھی کرتے ہیں۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۷۱اور سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۳۰کی تفاسیر میں وہ مسیحیت میں پائے جانے والے غلو کا ذکر کرتےہیں، ان دعوؤں کو قرآن کی آیات اور نصوصِ نبوی کے ذریعے علمی طور پر متصلاً رد کرتا ہے اور اہلِ کتاب کو اعتدال اختیار کرنے کی نصیحت دیتے ہیں۔ اس ردِ شبہ میں لہجہ دلیل، استدلال اور قرآنی دلائل پر مبنی ہوتا ہے۔جھٹلانے کی بجائے اصلاح کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

۴۔اندازِ گفتگو: عدل، منصفانہ لہجہ اور نرمی

ابنِ کثیر بارہا ایسی قرآنی آیات کا حوالہ دیتے ہیں جو مخاطب سے اخلاقی نرم کلام کا تقاضا کرتی ہیں مثلاً"فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا" موسیٰ کا فرعون کو کہنااور اسی روش کو اہلِ کتاب کے ساتھ مکالمے میں نافذ کرتے ہیں: دلیل دی جائے مگر نرمی، عدل اور وقار کے ساتھ۔ ان کا مطلب یہ نہیں کہ حق چھپایا جائے؛ بلکہ یہ کہ حق کو ایسے انداز میں پیش کیا جائے کہ سننے والا دفاعی رویّہ اپنانے کی بجائے غور کرے۔

۵۔ذرائع استدلال

ابنِ کثیرؒ مکالمے میں بنیاد رکھنے کے لیے ہمیشہ قرآن و سنت کو مقدم رکھتے ہیں؛ جہاں ضروری ہو وہ مخالفین کے بیانات، تاریخی حوالہ جات یا آثارِ سلف کو بطورِ قرائن بیان کرتے ہیں، مگر وہ اسرائیلیات وغیرہ کے حوالے استعمال کرتے وقت احتیاط کا مشورہ دیتے ہیں اور باربار قرآن کو ہی کافی اور مرکزی قرار دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی روش میں مکالمہ علمی، حوالہ دار اور احتیاطی ہےجس سے مباحثہ ذاتی قیاس یا غیر مستند روایات میں تبدیل نہیں ہوتا۔[40]

۷۔اسلوب سادہ، مدلل، اثر انگیز

تفسیر ابن کثیر کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دعوتِ اسلامی کا اسلوب سہل، سادہ اور دل نشین ہونا چاہیے تاکہ عام آدمی بھی اسے سمجھ سکے اور اس سے متاثر ہو۔ حافظ ابن کثیر مشکل فلسفیانہ موشگافیوں یا پیچیدہ اصطلاحات میں

---

[39] سورۃآلِ عمران ۳:۶۴

[40] ابن کثیر ،تفسیر القرآن العظیم،ج:۳،ص:۳۱۱

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN Print ISSN
3006-4635 3006-4627
Vol. 3 No. 12 (2025)

الجھانے کے بجائے نہایت واضح اور عام فہم انداز اختیار کرتے ہیں۔ وہ آیات کی تشریح میں قرآنی دلائل، صحیح احادیث اور آثارِ سلف کو سامنے رکھتے ہیں اور طویل مباحث سے گریز کرتے ہیں تاکہ پیغام براہِ راست دل و دماغ میں اتر جائے۔مثال کے طور پر، سورۂ نحل کی آیت "أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ"[41] کی تفسیر میں وہ سادہ الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ داعی کی ذمہ داری ہے کہ وہ حکمت اور نرم لہجے سے اللہ کی طرف بلائے، اور اگر بحث کی ضرورت پیش آئے تو اچھے اور مہذب انداز میں کرے۔[42]

اسی طرح سورۂ یوسف کی آیت"قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللهِ عَلَى بَصِيرَةٍ"[43] کی تفسیر میں ابن کثیر وضاحت کرتے ہیں کہ دعوت کا مقصد اللہ کی طرف بلانا ہے، اور یہ کام بصیرت، دلیل اور سادہ و واضح انداز میں ہونا چاہیے، تاکہ مخاطب الجھنے کے بجائے راہِ ہدایت پا لے۔[44] ان کے اسلوب کی یہی سادگی اور وضاحت دعوتی ادب میں ایک نمونہ پیش کرتی ہے، جس سے آج کے داعیانِ اسلام یہ رہنمائی لیتے ہیں کہ پیچیدہ طرزِ بیان سے گریز کیا جائے اور صاف و سادہ انداز اپنایا جائے تاکہ پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک مؤثر طور پر پہنچ سکے۔

۸۔مبلغ اچھے اخلاق کا مالک ہو

تفسیر ابن کثیر کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دعوت کے مؤثر ہونے کے لیے اخلاقِ حسنہ بنیادی شرط ہے۔ سختی، تندی اور بدکلامی نہ صرف دعوت کو غیر مؤثر بنا دیتی ہے بلکہ مدعو کے دل میں مزید نفرت پیدا کرتی ہے۔ ابن کثیر نے متعدد مقامات پر واضح کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا اصل حسن ان کے پاکیزہ اخلاق اور نرم خوئی میں تھا۔

أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔[45]

اس آیت کریمہ کے تحت ابن کثیر یہاں لکھتے ہیں:

أي: من احتاج منهم إلى مناظرة وجدال فليكن بالوجه الحسن، برفق ولين وحسن خطاب، كما قال: وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔[46] ۔[47]

اگر ان میں سے کسی کے ساتھ مناظرے اور گفتگو کی ضرورت ہو تو وہ نہایت اچھے انداز، نرمی، لین اور اچھے خطاب کے ساتھ ہو۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔[48]

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أي: إنما لان جانبك لهم وطابت لهم نفسك عنهم لرحمة الله بك وبهم، ولو كنت سيئ الكلام، قاسي القلب عليهم، لانفضوا عنك.[49]

[41] سورۃ النحل ۱۲۵:۱۶
[42] تفسیر ابن کثیر، ج:۲،ص:۵۸۸
[43] سورۃ یوسف ۱۰۸:۱۲
[44] تفسیر ابن کثیر، ج:۲،ص:۴۹۴
[45] سورۃ النحل ۱۲۵:۱۶
[46] سورۃالعنکبوت ۴۶:۲۹
[47] تفسیر ابن کثیر، ج :۲، ص :۵۸۸
[48] سورۃ آل عمران ۱۵۹:۳
[49] تفسیر ابن کثیر، ج :۱، ص :۳۹۴

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN Print ISSN
3006-4635 3006-4627
Vol. 3 No. 12 (2025)

اللہ کی رحمت سے آپ ﷺ ان کے لیے نرم دل بنے، اگر آپ سخت کلام اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ سے دور بھاگ جاتے۔

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ۔[50]

یہ حکم حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے سرکش کے ساتھ گفتگو میں دیا گیا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں:

أي: خاطباه بكلام رقيق لين سهل قريب، ليكون أوقع في النفوس، وأبلغ وأنجح۔ [51]

اسے نرم اور قریب الفہم بات کہو، تاکہ یہ زیادہ مؤثر ہو اور کامیابی کا سبب بنے۔

تفسیر فی ظلال القرآن کا تعارف اور اس کی دعوتی خصوصیات

سید قطب، جن کا اصل نام ابراہیم حسین شاذلی تھا، بیسویں صدی کے ان بلند پایہ مفکرین میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے نہ صرف ادب اور تنقید کے میدان میں نام پیدا کیا بلکہ فکری و نظریاتی محاذ پر بھی اپنی گہری چھاپ چھوڑی۔ وہ ۹ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو مصر کے صوبہ اسیوط کے گاؤں موشا میں ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جو دیانت، وقار اور علمی و دینی رجحان میں ممتاز تھا۔ ان کے والد گاؤں کے معزز بزرگ اور نیشنل پارٹی کی کمیٹی کے رکن تھے، جنہوں نے سید قطب کے شعور میں آخرت کا خوف، ذمہ داری کا احساس اور وقارِ زندگی کی جھلک پیوست کی۔ سید قطب نے اپنی معروف تصنیف مشاهد القيامة في القرآن کو والد کے نام وقف کرتے ہوئے لکھا کہ "آپ نے مجھے آخرت کا شعور عمل کے ذریعے عطا کیا، نصیحتوں یا سرزنش سے نہیں بلکہ اپنے طرزِ حیات سے؛ جب بھی ہم کھانے کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھتے اور اپنے والد کی روح کو ایصالِ ثواب کرتے، تو وہ لمحہ میرے دل پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گیا۔" بچپن ہی میں اپنی والدہ سے خود اعتمادی اور والد سے عزم و استقلال ورثے میں پانے والے سید قطب نے محض دس برس کی عمر میں قرآنِ مجید حفظ کر لیا۔ ان کی تربیت ایسے ماحول میں ہوئی جہاں قومی حمیت، آزادی کی تڑپ اور فکری مباحث کی گونج تھی۔ یہی وہ فضا تھی جس نے ۱۹۱۹ء کے انقلاب کی صورت میں ان کے احساسات کو جِلا بخشی اور ان کے اندر وطن کی محبت اور آزادی کی تڑپ کو مضبوط کیا۔ کم عمری ہی میں وہ قومی تحریک کے ساتھ وابستہ ہوئے، نیشنل پارٹی کے اخبارات کا مطالعہ کیا، تقاریر اور نظمیں لکھیں اور انہیں مساجد اور علمی مجالس میں پہنچا کر ایک ایسے فکری سفر کا آغاز کیا جو آگے چل کر پورے عالمِ اسلام میں ان کی فکری قیادت اور نظریاتی اثر کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔[52]

سید قطب شہید کی تفسیر فی ظلال القرآن میں دعوتی خصوصیات درج ذیل ہیں :

۱۔ قرآن کریم کو عملی دستورِ حیات کے طور پر پیش کرنا

سید قطبؒ اپنی تفسیر فِي ظِلَالِ الْقُرْآنِ میں قرآن کو محض عقائد یا عبادات کا مجموعہ قرار نہیں دیتے بلکہ اسے "دَسْتُورٌ لِلْحَيَاةِ" یعنی زندگی کے لیے ایک شمولیّتی، عملی اور اخلاقی آئین سمجھتے ہیں۔

قطب کے نزدیک قرآن انسان کی ذاتی تربیت اور اجتماعی تنظیم دونوں کا جامع نمونہ پیش کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ قرآنی آیات نہ صرف عقیدہ بتاتی ہیں بلکہ اُن سے زندگی کے ہر شعبے کے لیے ضابطے اور اصول بھی نکالے جائیں؛ یہی قرآنی دعوت کا عملی چہرہ ہے۔ یہ تصور خاص طور پر اس جگہ واضح ہوتا ہے جہاں قطب کہتا ہے کہ قرآن ‘‘قواعد و أسس’’ وضع کرتا ہے جو انسانی جماعتوں کے لئے دستورِ عمل ہیں۔

قرآن بطورِ آئینِ بنیاد

[50] سورۃ طہ۲۰:۴۴
[51] تفسیر ابن کثیر، ج :۳، ص :۱۱۰
[52] مقدمہ فی تفسیر ظلال القرآن،ج:۱،ص:۲۱

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN Print ISSN
3006-4635 3006-4627
Vol. 3 No. 12 (2025)

قطب سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۵۵ کی تفسیر میں واضح لکھتا ہے کہ بیان کردہ صفاتِ الٰہی محض نظریاتی بات نہیں، بلکہ وہ "قواعد" طے کرتی ہیں جو انسانی زندگی کے دستور کے لیے بنیاد ہیں یعنی الٰہیت، ملکیت، علم اور حساب کے تصورات سماجی و اخلاقی نظام کی بنیاد بن جاتے ہیں۔[53]

منہجِ حیات

قطب سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳ کی تفسیر میں یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ جب اللہ نے کہا «أكملت لكم دينكم... ورضيت لكم الإسلام دينًا» تو مخاطب ہر دور کے مؤمن ہیں بشرطیکہ وہ دین کو "منہجِ الحیاۃ" یعنی پوری زندگی کا ضابطہ سمجھیں اور اسی کے مطابق عمل کریں؛ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کو عملی دستور سمجھنا تفسیرِ قطب کا واضح نقطہ ہے۔[54]

معاشی نظام

سید قطب سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۷۵-۲۷۸ کی تفسیر میں اخلاقی و سماجی نقصان کی جانب توجہ دلاتا ہے؛ وہ دکھاتا ہے کہ ربا صرف ایک فِقہی مسئلہ نہیں بلکہ ایک پورے معاشی-سماجی نظام کا عکاس ہے جو قرآن کے "دستورِ زندگی"کے منافی ہے اس سلسلے میں قطب ربا کی مذمت کو اس دستورِ معاشی کے خلاف تصور کرتا ہے۔ نتیجتاً قرآن کے یہ خطوط معاشی قواعد وضع کرتے ہیں جو معاشرتی عدل کی طرف اشارہ ہیں۔[55]

۲۔اسلوب کی سادگی اور اثر انگیزی

سید قطبؒ کی تفسیر فی ظلال القرآن میں ایک نمایاں دعوتی پہلو یہ ہے کہ وہ دعوت و تبلیغ کے اسلوب کو سادہ اور اثر انگیز بنانے پر زور دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن کا اصل اعجاز اس کی سادگی، روانی اور دل میں اتر جانے والی تاثیر میں ہے، نہ کہ پیچیدہ فلسفیانہ مباحث یا خشک کلامی اصطلاحات میں۔ اسی لیے وہ داعی کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ خطاب میں غیر ضروری تعقیدات سے بچے اور براہِ راست قلوب کو مخاطب کرے۔

سید قطبؒ فی ظلال القرآن میں سورۃ ابراہیم کی آیت "وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ"[56]

کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"القرآن يتحدث بلسان الفطرة، بلسان بسيط قريب، يدخل إلى القلب بلا استئذان ولا تكلّف، إنه يخاطب النفوس بخطاب مباشر، يحركها ويؤثر فيها". [57]

---

[53]قطب شہید،سید،تفسیر فی ظلال القرآن،ج:۱،ص:۱۴۸
[54]قطب شہید،سید،تفسیر فی ظلال القرآن،ج۲۱،ص:۴۲
[55]قطب شہید،سید،تفسیر فی ظلال القرآن،ج:۱،ص:۱۱۲
[56]سورۃ ابراہیم ۱۴:۴
[57]فی ظلال القرآن، ج :۴، ص :۱۸۵

Policy Journal of Social Science Review

Online ISSN Print ISSN

3006-4635 3006-4627

Vol. 3 No. 12 (2025)

قرآن فطرت کی زبان میں بات کرتا ہے، ایک سادہ اور قریب تر زبان میں جو بغیر کسی تکلف کے دل میں اتر جاتی ہے۔ یہ براہِ راست انسانی نفس سے خطاب کرتا ہے، اسے جھنجھوڑتا اور اس پر اثر ڈالتا ہے۔
یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ سید قطبؒ کے نزدیک داعی کی کامیابی اس میں ہے کہ وہ قرآن کے اسی سادہ اور فطری انداز کو اپنائے تاکہ سامعین کے دل متاثر ہوں۔

۳۔جدید مسائل کے تناظر میں دعوت

سید قطبؒ نے فی ظلال القرآن میں قرآن کی تفسیر کو صرف ماضی کی کہانیوں یا الفاظ کی لغوی تشریح تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اس کو ایک زندہ پیغام اور عصرِ حاضر کے مسائل کے حل کے طور پر پیش کیا۔ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ قرآن محض تلاوت کے لیے نہیں بلکہ ایک عملی دستورِ حیات اور جدید چیلنجز کا رہنما ہے۔ اسی بنیاد پر ان کی تفسیر میں دعوتی پہلو نمایاں ہو جاتا ہے، خصوصاً جدید مسائل کے تناظر میں۔

۱۔مذہب اور سیاست کی جدائی کے مقابلے میں قرآن کا پیغام

سید قطب کہتے ہیں کہ قرآن دین کو صرف عبادات تک محدود نہیں کرتا بلکہ معاشرت، معیشت اور سیاست سب کو شامل کرتا ہے۔ وہ سورۃ المائدہ کی آیت"وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَـٰفِرُونَ۔[58]

کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

القرآن يرفض فصل الدين عن الحياة، ويرفض أن يكون الحكم لغير الله، لأن الحكم جزء من العقيدة۔[59]

قرآن دین کو زندگی سے الگ ماننے سے انکار کرتا ہے اور اس بات کو رد کرتا ہے کہ حکم غیر اللہ کا ہو، کیونکہ حکم دین اور عقیدے کا بنیادی حصہ ہے۔
یہ جدید سیکولر سوچ کے مقابلے میں دعوتی رہنمائی ہے کہ اسلام کو محض مسجد میں محدود نہ کیا جائے۔

۲۔سماجی انصاف اور معاشی استحصال

جدید سرمایہ دارانہ نظام میں ظلم و استحصال کے خلاف سید قطبؒ نے سورۃ الحشر کی آیت:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةًۢ بَيْنَ ٱلْأَغْنِيَآءِ مِنكُمْ۔[60] کو بنیاد بنایا اور لکھا:

الإسلام يضع قاعدة توزيع المال وقطع دابر الاحتكار، لكي لا يبقى المال متداولاً بين فئة من الأغنياء"۔[61]

یہ دعوتی پیغام ہے کہ اسلام جدید معاشی ناہمواری کو ختم کرنے کا حل رکھتا ہے۔

۳۔بین المذاہب تعلقات اور جدید عالمی تناظر

سورۃ آل عمران کی آیت تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔[62] کی تفسیر میں سید قطب کہتے ہیں:

"هذا هو المنهج الإسلامي في الحوار، يبدأ من أرضية مشتركة ويبنى على العدل والإنصاف۔[63]

یہ جدید بین المذاہب مکالمے کے لیے دعوتی اصول فراہم کرتا ہے کہ بات چیت میں جھگڑے کے بجائے مشترکات پر زور دیا جائے۔

۴۔اخلاقی زوال اور میڈیا کا فتنہ

[58] سورۃ المائدۃ۵:۴۴
[59] فی ظلال القرآن، ج:۲، ص:۹۰۴
[60] الحشر ۵۹:۷
[61] فی ظلال القرآن، ج:۶، ص:۳۵
[62] سورۃ آل عمران ۳:۶۴
[63] فی ظلال القرآن، ج:۲، ص:۴۹۵

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN Print ISSN
3006-4635 3006-4627
Vol. 3 No. 12 (2025)

سید قطبؒ جدید معاشرتی بگاڑ کی نشاندہی کرتے ہیں کہ آج انسان "تمدن" کے نام پر اخلاقی پستی کا شکار ہے۔ سورۃ النور کی ۳۰ اور ۳۱ نمبر آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الإسلام لا يريد كبت الغريزة، بل تهذيبها وصياغتها في صورة نظيفة تحفظ المجتمع من الانحلال۔[64]

یہ دعوتی رہنمائی ہے کہ موجودہ دور میں میڈیا اور فحاشی کے سیلاب کے مقابلے میں اسلام عزتِ نفس اور پاکیزگی کی تعلیم دیتا ہے۔

۴۔ایمان اور عمل کی ہم آہنگی

سید قطب شہیدؒ نے فی ظلال القرآن میں ایمان اور عمل کے باہمی تعلق کو قرآن کا مرکزی پیغام قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک ایمان محض دل کا عقیدہ یا زبان کا اقرار نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر طرزِ حیات ہے جو عملی نظام اور کردار میں ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن ایمان کو عمل کے بغیر قبول نہیں کرتا، اور عمل کو ایمان کے بغیر وزن نہیں دیتا۔ یہی ہم آہنگی ان کی تفسیر میں بار بار نمایاں ہوتی ہے۔

۱۔ایمان صرف عقیدہ نہیں بلکہ حرکت اور عمل ہے

سورۃ العصر "إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ"[65] کی تفسیر میں سید قطب لکھتے ہیں:

الإيمان في حقيقته ليس هو هذا الوجدان المستسلم، إنما هو طاقة دافعة محركة، تظهر آثارها في العمل والسلوك۔[66]

ایمان اپنی حقیقت میں صرف اندرونی کیفیت نہیں، بلکہ ایک محرک قوت ہے جو عمل اور سلوک میں ظاہر ہوتی ہے۔
یہاں واضح کیا کہ ایمان لازماً عملِ صالح کو جنم دیتا ہے۔

۲۔ایمان اور شریعت کی اطاعت لازم و ملزوم ہیں

سورۃ البقرہ کی آیت لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ"[67] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

البرّ ليس مجرد شعائر، إنما هو عقيدة في القلب، وطاعة في السلوك، وإقامة للقسط في المجتمع۔[68]

یہ دعوتی نکتہ ہے کہ عبادات، نیکی اور سماجی انصاف سب مل کر ایمان کی عملی شکل ہیں۔

۳۔ایمان کی سچائی عمل سے پرکھا جاتا ہے

سورۃ العنکبوت کی آیت أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ"[69] کی تفسیر میں سید قطب لکھتے ہیں:

الإيمان لا يُترک دعوى باللسان، إنما يجب أن يثبت بالعمل والصبر على الابتلاء۔[70]

ایمان صرف زبان کا دعویٰ نہیں، بلکہ عمل اور آزمائش پر ثابت قدم رہنے سے ثابت ہوتا ہے۔
یہ جدید دور کے مسلمانوں کے لیے عملی رہنمائی ہے کہ ایمان محض نعروں سے نہیں جیتا جاتا۔

۴۔ایمان، جہاد اور قربانی کا تعلق

[64] فی ظلال القرآن، ج:۵، ص:۲۹۲۷
[65] سورۃ العصر۱۰۳:۳
[66] فی ظلال القرآن، ج:۶، ص:۳۹۵۵
[67] سورۃ البقرۃ ۲:۱۷۷
[68] فی ظلال القرآن، ج:۱، ص:۱۴۸
[69] سورۃ العنکبوت۲۹:۲
[70] فی ظلال القرآن، ج:۵، ص:۲۸۹۰

سورۃ الصف کی آیت "تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ"[71] کی تفسیر میں سید قطب نے ایمان کو جہاد اور قربانی سے جوڑتے ہوئے لکھا:

هذا هو الإيمان الصحيح، يتجسد في الجهاد، وبذل المال والنفس، وإلا فهو دعوى خاوية۔[72]

یہاں سید قطب واضح کرتے ہیں کہ ایمان اپنی اصل شکل تب اختیار کرتا ہے جب انسان قربانی اور جدوجہد پر آمادہ ہو۔

۵۔اصحابِ کہف اور ایمان و عمل

سورۃ الکہف میں نوجوانوں کے ایمان اور عمل کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الإيمان دفعهم إلى الاعتزال، وإلى الموقف العملي ضد الطغيان، فلم يكن مجرد اعتقاد خاملاً۔[73]

یعنی ایمان نے انہیں صرف سوچنے پر نہیں بلکہ عملی جدوجہد اور قربانی پر آمادہ کیا۔

۵۔ اخلاقی و روحانی دعوت

سید قطب شہیدؒ نے فی ظلال القرآن میں اخلاقی و روحانی دعوت کو قرآن کے بنیادی اہداف میں شمار کیا ہے۔ ان کے نزدیک ایمان صرف عقیدہ اور عبادات کا نام نہیں بلکہ ایسا ہمہ گیر نظام ہے جو انسان کی اخلاقی و روحانی زندگی کو سنوارتا ہے اور معاشرے میں عدل، صدق اور تقویٰ کی بنیاد رکھتا ہے۔

۱۔دعوت کا مقصد دلوں کی تطہیر اور اخلاق کی تعمیر

سورۃ الشّمس کی آیت "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا"[74] کی تفسیر میں سید قطب لکھتے ہیں:

المنهج الرباني يريد أولاً تطهير النفوس، وإقامة الأخلاق على قاعدة التقوى، قبل إقامة النظم والأوضاع۔[75]

ربانی منہج سب سے پہلے انسان کے نفس کو پاک کرتا ہے اور اخلاق کو تقویٰ کی بنیاد پر قائم کرتا ہے، اس کے بعد نظامِ زندگی بنتا ہے۔

یہاں سید قطب نے واضح کیا کہ دعوت کی اصل بنیاد دل کی اصلاح اور اخلاق کی تعمیر ہے۔

۲۔اخلاقی استقامت ہی روحانی کمال ہے

سورۃ الأحزاب کی آیت "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"[76] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لقد كانت قدوته في الصدق، والأمانة، والزهد، والعفة، وهذه هي الدعوة الحقيقية إلى الله۔[77]

نبی کریم ﷺ کی سیرت صدق، امانت، زہد اور عفت میں کامل نمونہ ہے، یہی اللہ کی طرف حقیقی دعوت ہے۔

یعنی اخلاقی نمونہ بذاتِ خود ایک روحانی دعوت ہے۔

۳۔دعوت کی روح: عدل، رحمت اور خیرخواہی

سورۃ النحل کی آیت "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ۔[78] کی تفسیر میں سید قطب کہتے ہیں:

---

[71] سورۃ الصف ۱۱:۶۱

[72] فی ظلال القرآن، ج:۶، ص:۳۵۲۷

[73] فی ظلال القرآن، ج:۴، ص:۲۱۸۳

[74] سورۃ الشمس۹۱:۹۔۱۰

[75] فی ظلال القرآن، ج:۶، ص:۳۹۲۱

[76] سورۃ الاحزاب۳۳:۲۱

[77] فی ظلال القرآن، ج:۵، ص:۳۰۱۵

[78] سورۃ النحل ۱۶:۹۰

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN 3006-4635
Print ISSN 3006-4627
Vol. 3 No. 12 (2025)

هذه الآية هی أكمل بيان لأصول الدعوة الأخلاقية، عدل فی الحكم، إحسان فی التعامل، وإيتاء للحقوق۔[79]

یہ آیت اسلام کی دعوت کو خالص اخلاقی و روحانی بنیادوں پر استوار کرتی ہے، اور سید قطب کے نزدیک یہ آیت اسلامی اخلاقیات کا جامع منشور ہے۔

۴۔ مکی دور کی دعوت

مکی سورتوں کی تفسیر میں بار بار یہ نکتہ نمایاں ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابتدائی دور میں مسلمانوں کو صرف اخلاقی اور روحانی بنیادوں پر تیار کیا۔ سید قطب سورۃ المزمل ۱۔۱۰کی تفسیر میں کہتے ہیں:

كانت الدعوة فی مبدئها تزكية للروح بالقرآن، وتهذيباً للأخلاق بالصبر والرحمة۔[80]

یعنی مکی دعوت کا اصل کام روحانی تربیت اور اخلاقی کردار کی تعمیر تھا۔

۶۔ انقلابی او رتحریکی انداز

سید قطب شہیدؒ کی تفسیر فی ظلال القرآن محض علمی یا ادبی تفسیر نہیں بلکہ ایک تحریکی و انقلابی منشور ہے۔ اس میں قرآن کو محض عقائد اور اخلاق کی وضاحت کرنے والی کتاب نہیں بلکہ ایک ایسی زندہ تحریک کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے جو باطل نظام کو چیلنج کرکے عدل و توحید پر مبنی معاشرہ قائم کرتی ہے۔ ان کی دعوتی سوچ میں انقلابی مزاج اور تحریکی عمل نمایاں ہے۔

۱۔قرآن کی انقلابی دعوت

سورۃ التوبہ کی آیت "لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ"[81] کی تفسیر میں سید قطب کہتے ہیں:

القرآن يجعل الإسلام قوةً غالبةً تحطم الباطل، وتقود البشرية إلى منهج الله۔[82]

قرآن اسلام کو غالب قوت کے طور پر پیش کرتا ہے جو باطل کو توڑ دے اور انسانیت کو اللہ کے منہج کی طرف لے جائے۔

یہ سید قطب کے نزدیک قرآن کی انقلابی دعوت کا منشور ہے۔

۲۔دعوت کا تحریکی پہلو: تدریجی جدوجہد

سورۃ المزمل کی آیات ۱ تا ۱۰ میں رات کی عبادت کے ذریعے داعی کی تیاری کے بعد جدوجہد کی بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الداعی يتربّى أولاً بالقرآن ليحمل رسالة تحريكية، ويصبر على الطريق الطويل الملیء بالعقبات۔[83]

یعنی داعی پہلے قرآن سے روحانی تربیت حاصل کرتا ہے، پھر وہ ایک تحریکی پیغام لے کر اٹھتا ہے اور جدوجہد کے طویل اور مشکل راستے پر صبر کرتا ہے۔

۳۔باطل نظام کے خلاف مزاحمت

سورۃ الکافرون ۱۔۶کی تفسیر میں سید قطب لکھتے ہیں:

الدعوة الإسلامية لا تعرف المساومة، فهی إعلان ثورة على كل نظام يعصی الله۔[84]

---

[79] فی ظلال القرآن، ج:۴، ص:۲۱۰۰
[80] فی ظلال القرآن، ج:۶، ص:۳۷۵۲
[81] سورۃ التوبۃ ۹:۳۳
[82] فی ظلال القرآن، ج:۴، ص:۲۵۰۱
[83] فی ظلال القرآن، ج:۶، ص:۳۷۵۵
[84] فی ظلال القرآن، ج:۶، ص:۴۰۳۲

Policy Journal of Social Science Review
Online ISSN 3006-4635
Print ISSN 3006-4627
Vol. 3 No. 12 (2025)

اسلامی دعوت سمجھوتے کو نہیں جانتی، یہ ہر اس نظام کے خلاف ایک اعلانِ انقلاب ہے جو اللہ کی نافرمانی پر قائم ہو۔
یہ تحریکی تصور سید قطب کے نزدیک دعوت کو محض وعظ و نصیحت نہیں رہنے دیتا بلکہ ایک انقلابی تحریک بنا دیتا ہے۔

۴۔دعوت اور جہاد کا تعلق

سورۃ الانفال کی آیت"وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ" [85] کی تفسیر میں کہتے ہیں:

القرآن يربط الدعوة بالكفاح، فلا بد من القوة لحماية الرسالة وإزالة الطواغيت۔[86]

قرآن دعوت کو جدوجہد اور قتال سے جوڑتا ہے، کیونکہ پیغام کی حفاظت اور طاغوتی رکاوٹوں کو ہٹانے کے لیے طاقت ضروری ہے۔

۵۔انقلابی مثال: مکی دور

مکی سورتوں کی تفسیر میں بار بار سید قطب واضح کرتے ہیں کہ اسلام کی تحریک سب سے پہلے ایمان اور صبر سے بنی، پھر باطل نظام کو چیلنج کرنے کے قابل ہوئی۔ سورۃ القلم۸۔۱۶کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

لم تكن الدعوة إصلاحاً جزئياً، بل ثورة شاملة على المجتمع الجاهلي كلّه۔[87]

اسلامی دعوت جزوی اصلاح نہیں بلکہ پورے جاہلی معاشرے کے خلاف ایک ہمہ گیر انقلاب تھا۔

تفسیر ابن کثیر کی امتیازی دعوتی خصوصیات

۱۔توحید و رسالت
۲۔قرآن بالقرآن ، قرآن بالسنۃ اور آثار السلف
۳۔حکمت ، موعظہ حسنہ،جدال بالتی ہی احسن
۴۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریم ورک
۵۔تدریج اور مزاج نبوی
۶۔بین المذاہب مکالمہ اور رد شبہات میں عدل
۷۔مبلغ اچھے اخلاق کا مالک ہو

تفسیرفی ظلال القرآن کی امتیازی دعوتی خصوصیات

۱۔قرآن کو عملی دستور حیات کے طور پر پیش کرنا
۲۔جدید مسائل کے تناظر میں دعوت
۳۔ایمان اور عمل کی ہم آہنگی
۴۔اخلاقی و روحانی دعوت
۵۔انقلابی اور تحریکی انداز

دونوں تفاسیر کا تقابل

۱۔منہج اور نقطۂ آغاز

ابن کثیرکا طریقہ روایت پر مبنی ہے۔ وہ قرآن کی دعوتی آیات کی تشریح حدیث، اقوالِ صحابہ اور سلف کی تفسیری روایات سے کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن کے پیغام کو اس کے اولین اور مستند فہم کے مطابق پیش کیا جائے۔

[85] سورۃ الانفال۸:۳۹
[86] فی ظلال القرآن، ج:۳، ص:۱۵۴۰
[87] فی ظلال القرآن، ج:۶، ص:۳۶۹۱

سید قطب زیادہ تر قرآن کے عملی اور تحریکی پہلو کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک دعوت کا آغاز صرف تعلیم یا تبلیغ سے نہیں بلکہ ایک زندہ تحریکی جدوجہد سے ہوتا ہے۔

۲۔دعوت کی نوعیت

ابن کثیرکی دعوت زیادہ تر تعلیم، نصیحت، صبر اور تدریج پر مبنی ہے۔ ان کے ہاں قرآن کی دعوت پہلے ایمان، پھر اخلاق اور پھر عمل کی طرف لے جاتی ہے۔

سید قطب کے نزدیک دعوت ایک انقلابی پیغام ہے جو جاہلی معاشرے کو للکارتی ہے۔ اس میں سمجھوتے کی گنجائش نہیں بلکہ فوری طور پر حق و باطل کے تصادم کو واضح کرنا بنیادی اصول ہے۔

۳۔مکی و مدنی اسلوب

ابن کثیرمکی آیات کی دعوتی حیثیت میں ایمان، توحید، آخرت اور اخلاق پر زور دیتے ہیں، اور مدنی آیات میں شریعت و احکام کی تشریح پر۔

سید قطب مکی دور کو دعوتی تحریک کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور اسے ایک انقلابی تربیتی مرحلہ کے طور پر دیکھتے ہیں۔ مدنی دور کو وہ تحریک کے غلبے اور نظامِ اسلامی کے قیام کا زمانہ بتاتے ہیں۔

۴۔داعی کی تیاری

ابن کثیرکے نزدیک داعی کی تربیت علم، حدیث کی پیروی اور صبر کے ذریعے ہوتی ہے۔ وہ زیادہ تر علمی و دینی تقویٰ پر زور دیتے ہیں۔

سید قطب داعی کے لیے روحانی تیاری کے ساتھ ساتھ عملی میدان میں استقامت اور باطل کے خلاف مزاحمت کو بنیادی شرط قرار دیتے ہیں۔

۵۔دعوت اور جہاد

ابن کثیرجہاد کو زیادہ تر دفاعی اور نصوصِ شرعیہ کی وضاحت کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔ ان کے ہاں جہاد ایک شرعی فریضہ ہے جو مخصوص حالات میں جاری ہوتا ہے۔

سید قطبجہاد کو دعوت کے تحریکی تسلسل کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جہاد صرف دفاع نہیں بلکہ طاغوتی نظام کو ہٹانے اور اسلامی نظام قائم کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

۶۔دعوتی ہدف

ابن کثیرکے نزدیک انسانوں کو ایمان، توحید اور شریعت کی پیروی کی طرف لانا۔

سید قطب کے نزدیک فرد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ پورے معاشرتی و سیاسی ڈھانچے کو بدل کر اللہ کی حاکمیت قائم کرنا۔

دعوت کی عملی جہت میں فرق

ابن کثیر اور سید قطب دونوں قرآن کی روشنی میں دعوت کو ایک عملی جدوجہد سمجھتے ہیں، لیکن دونوں کے ہاں دعوت کی عملی جہت میں نمایاں فرق ہے۔

۱۔دعوت کی بنیاد

ابن کثیر کے نزدیک دعوت کی عملی جہت بنیادی طور پر تعلیم، تبلیغ اور تدریج پر قائم ہے۔ پہلے ایمان کی اصلاح، پھر اخلاق کی درستگی اور آخر میں احکام پر عمل کی طرف انسان کو لایا جاتا ہے۔

سید قطب کے نزدیک دعوت کی عملی جہت انقلاب اور تبدیلیٔ نظام ہے۔ ان کا زور یہ ہے کہ فرد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ پورے معاشرے اور نظام کو بدلنے کے بغیر دعوت مکمل نہیں ہو سکتی۔

۲۔دعوت کا میدان

ابن کثیرکے نزدیک دعوت کا اصل میدان فرد اور معاشرہ ہے۔ داعی کو چاہیے کہ قرآن و سنت کی تعلیمات سے لوگوں کو قریب کرے، صبر و حکمت کے ساتھ ان کے دلوں میں تبدیلی لائے۔

سید قطب کے ہاں دعوت کا میدان صرف افراد نہیں بلکہ طاقتور نظامِ جاہلیت ہے۔ وہ دعوت کو براہِ راست نظامِ باطل کے خلاف جدوجہد اور تحریکی سرگرمی کے طور پر دیکھتے ہیں۔

۳۔دعوت کا اسلوب

ابن کثیرکے نزدیک دعوت کااسلوب زیادہ تر علمی و تعلیمی ہے۔ یعنی قرآن و حدیث کے دلائل، انبیاء کی حکمت عملی اور تدریجی طریقے پر عمل۔ ان کے نزدیک داعی زیادہ تر معلم و مصلح کی حیثیت رکھتا ہے۔

سید قطب کے نزدیک دعوت کا اسلوب زیادہ تحریکی و انقلابی ہے۔ وہ داعی کو صرف معلم نہیں بلکہ ایک تحریک کا سپاہی سمجھتے ہیں جو اپنی جان و مال کے ساتھ باطل کو چیلنج کرتا ہے۔

خلاصہ بحث

تفسیر ابن کثیر اور تفسیر فی ظلال القرآن میں دعوتی رجحان نہایت نمایاں ہے لیکن دونوں کے اسلوب اور عملی جہات میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ ابن کثیر کی تفسیر میں دعوت کا بنیادی رخ نصوصِ قرآنی اور احادیث نبویہ کی شرح و تفسیر کی طرف ہے، جہاں وہ دلائل کی مضبوطی، اسلوب کی سادگی اور سلفِ صالحین کے اقوال کی روشنی میں دین کی اصل بنیادوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان کی دعوتی جہت علمی استناد اور فکری وضاحت پر قائم ہے جس کا مقصد قاری کو تشکیک سے بچانا اور براہِ راست قرآن و سنت کی تعلیمات سے جوڑنا ہے۔ اس کے برعکس سید قطب کی تفسیر فی ظلال القرآن میں دعوتی رجحان زیادہ ہمہ گیر اور انقلابی نوعیت کا حامل ہے، جس میں قرآن کو ایک زندہ اور متحرک دستورِ حیات کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وہ فرد کے ایمان اور اخلاق کی اصلاح کے ساتھ ساتھ معاشرتی، تہذیبی اور سیاسی ڈھانچے کی تبدیلی کو بھی دعوتِ قرآنی کا لازمی حصہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی تحریر میں تحریکی روح، عملی جدوجہد کی ترغیب اور امت کے اندر بیداری پیدا کرنے کا جذبہ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ابن کثیر کی تفسیر قاری کو علمی دلائل، نصوص کی روشنی اور شرح و بسط کے ذریعے دین کے ساتھ وابستگی عطا کرتی ہے، جبکہ فی ظلال القرآن قاری کو ایک زندہ تحریک، اجتماعی اصلاح اور عملی انقلاب کی طرف مائل کرتی ہے۔ اس طرح دونوں تفاسیر اپنی اپنی خصوصیات کے ساتھ دعوتِ اسلامی کی خدمت انجام دیتی ہیں۔

نتائج بحث

اس تقابلی مطالعے سے یہ بات سامنے آئی کہ تفسیر ابن کثیر اور تفسیر فی ظلال القرآن دونوں میں دعوت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، مگر ان کے زاویۂ نظر اور عملی جہات میں نمایاں فرق اور امتزاج پایا جاتا ہے۔

۱۔ابن کثیر نے دعوت کی بنیاد قرآن، حدیث اور آثارِ سلف پر رکھی، تاکہ دعوت علمی استناد اور شرعی اصالت سے جڑی رہے۔سید قطب نے قرآن کو زندہ، متحرک اور عملی دستورِ حیات کے طور پر پیش کیا اور اس کی دعوت کو موجودہ تہذیبی چیلنجز کے مقابل ایک انقلابی نظام قرار دیا۔

۲۔ابن کثیر کا منہج زیادہ تر علمی و نصوصی ہے؛ وہ آیات کی تفسیر کو احادیث اور اقوال صحابہ سے جوڑ کر سادہ اور تحقیقی انداز میں پیش کرتے ہیں۔فی ظلال القرآن کا منہج تحریکی اور فکری ہے؛ سید قطب قاری کے دل و دماغ کو بیدار کرتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں کہ دعوت محض نظریات نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر عملی تحریک ہے۔

۳۔ابن کثیر نے حکمت، نرمی اور تدریج کو مؤثر دعوتی انداز قرار دیا، اور علمی دلائل کے ساتھ ساتھ اخلاقی رویے کو مرکزی اہمیت دی۔سید قطب نے اسلوب میں اثر انگیزی، وجدانی تاثر اور انقلابی ولولہ پیدا کیا، تاکہ قاری قرآن کے ساتھ ایک زندہ تعلق قائم کرے اور اس سے عملی تحریک حاصل کرے۔

۴۔ابن کثیر ایمان کو عملِ صالح کی بنیاد اور لازمہ قرار دیتے ہیں، تاکہ دعوت محض نظری مباحث تک محدود نہ رہے۔سید قطب نے ایمان و عمل کو ایک ہی حقیقت کے دو رخ بتایا، اور زور دیا کہ ایمان اگر عملی انقلاب پیدا نہ کرے تو وہ ناقص ہے۔

۵۔ابن کثیر کے نزدیک دعوت کا دائرہ انفرادی اور اجتماعی اصلاح تک پھیلا ہوا ہے، مگر زیادہ زور نصوص کی وضاحت اور فکری رہنمائی پر ہے۔فی ظلال القرآن میں دعوت کا دائرہ سیاسی، تہذیبی اور انقلابی تبدیلی تک وسیع ہے، جو معاشرے کو جاہلی نظام سے نجات دلا کر قرآنی نظام پر استوار کرنے کا پیغام دیتی ہے۔